غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

تلخیص

مولانا الیاس نعمانی ندوی

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل
ملخص	:	مولانا الیاس نعمانی ندوی
صفحات	:	۴۰
سن طباعت	:	۲۰۱۴ء
قیمت	:	۳۰

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱۔ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

فون:011- 26981327

ای میل: ifapublication@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

تمہید	۷
مسلم اقلیتوں کو درپیش چند اہم مسائل	۹
۱۔غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا قیام	//
۲۔غیر مسلم اکثریت کے ساتھ تعلقات کی نوعیت	//
۳۔غیر مسلم ممالک میں شرعی نظامِ قضا	۱۳
۴۔ کچھ اور مسائل	۱۶
اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے فیصلے	۱۷
خاتمہ	۳۷
تجاویز	۳۹

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

دیگر مذاہب وادیان کے مقابلہ میں اسلام کی نمایاں امتیازی خصوصیت ہمہ گیریت وابدیت کی اس کی صلاحیت ہے، یعنی اس کی تعلیمات وہدایات اور اس کے اصول ومبادی ایسے ہمہ گیر اور لچک دار ہیں کہ ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں زندگی کے ہر ارتقائی مرحلہ کی بابت مکمل راہ نمائی کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں، اسی امتیازی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کی طویل مدت گزارنے کے باوجود یہ دین اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، تاریخ انسانی میں کوئی اور مذہب اس صفت میں اس کا ہم سر تو کیا اس کے آس پاس بھی نہیں ہے۔

اس دین خداوندی کی اسی امتیازی خصوصت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے تمام خطوں میں آباد مسلمانوں کے لئے اس کے اصول وقوانین میں واضح ہدایات اور راہ نمائیاں پائی جاتی ہیں، مسلمان خواہ ایسے اسلامی ممالک میں آباد ہوں جہاں مکمل اسلامی نظام حکومت ہو، یا ان ممالک میں آباد ہوں جہاں کی حکومت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو اور جہاں کا قانون مکمل طور پر غیر اسلامی ہو، ہر خطہ اور ہر طرح کے معاشرہ میں زندگی گزارنے کے اصول وقوانین اسلام نے دیے ہیں۔

لیکن چونکہ ہماری فقہ کی تدوین اس عہد میں ہوئی جب مسلمانوں کی تقریباً مکمل تعداد اس خطۂ ارضی میں رہتی تھی جو دار الاسلام تھا، جہاں کا حکمراں مسلمان ہوتا تھا، اور جہاں مکمل اسلامی نظام قائم تھا، اس لئے ہماری فقہی کتابوں کا روئے خطاب اسی خطۂ ارضی میں آباد مسلمانوں کی جانب رہا۔ فقہی جزئیات واحکام کی تشریح کرتے وقت ان کے ذہن میں اپنے عہد اور اپنے خطہ کے ہی حالات

ومسائل رہے، اور عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک بالکل فطری بات تھی۔

لیکن ادھر چند صدیوں سے اس صورت حال میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اب مسلمانوں کی تقریباً آدھی تعداد ان ممالک میں آباد ہے، جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور حکومت غیر مسلم اکثریت کی ہے، ان مسلمانوں کو بہت سے عائلی، سماجی، سیاسی واقتصادی مسائل ایسے پیش آتے ہیں جن کا سامنا مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑتا ہے، یا بہت کم کرنا پڑتا ہے، ان میں سے اکثر مسائل پر ہمارے قدیم فقہاء کے یہاں کوئی فقہی حکم یا رائے اس لئے نہیں ملتی ہے کہ ان کے زمانے میں ان مسائل کا وجود ہی نہیں تھا۔

اس صورت حال نے مسلم اقلیتوں کو درپیش ایسے مسائل حل کرنے کی ذمہ داری معاصر فقہاء پر ڈالی، جنہوں نے اسلام کے ہمہ گیر وابدی اصولوں کی روشنی میں ان کی بابت صحیح شرعی حکم کی دریافت کی کوشش کی، یہ مسائل اتنے زیادہ اور ایسے گوناگوں تھے کہ ان کی بابت فقہ کا ایک نیا شعبہ ''فقہ الأقلیات فی فی کے نام سے سامنے آیا، اس فقہ میں غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے مسائل پر توجہ دی جاتی ہے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خود ذات رسالت مآب ﷺ کی نبوی زندگی کا بیشتر حصہ (۲۳ میں سے ۱۳ برس) مکۂ مکرمہ میں اس حال میں گزرا کہ وہاں کی اکثریت غیر مسلم تھی، اور جو شہری مملکت وہاں قائم تھی اس کے تمام عہدیداران بھی غیر مسلم تھے، بلکہ بعض تو آپؐ اور آپؐ کے متبعین کے خونی دشمن تھے، بالفاظ دیگر اس پورے عرصہ میں آپؐ اور آپؐ کے متبعین مکۂ مکرمہ میں بحیثیت اقلیت رہتے تھے، پھر آپؐ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک مسلم مملکت وجود میں آئی تو اس وقت بھی ایک طویل عرصہ تک مکہ اور حبشہ میں آپؐ کی اجازت سے مسلم اقلیتیں قیام پذیر رہیں۔ عہد نبویؐ کی یہ مسلم اقلیتیں عصر حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لئے بہترین

اسوہ ہیں، ان کے نقش قدم کی پیروی میں معاصر مسلم اقلیتوں کے لئے فلاح وکامرانی کا راز مضمر ہے۔

☆☆☆

مسلم اقلیتوں کو درپیش چند اہم مسائل

۱۔غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا قیام:

مسلم اقلیتوں سے متعلق شرعی احکام پر غور کرتے وقت سب سے پہلے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ایسے ممالک میں مسلمانوں کے قیام کا شرعی حکم کیا ہے، جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو، زمام اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، اور وہاں کے مسلم باشندوں کو غیر اسلامی قوانین پر عمل کرنا پڑتا ہو؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسے ممالک میں مسلمانوں کے لئے قیام کی اجازت ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کو دینی احکام پر عمل کرنے کی آزادی ہو، نیز دینی شعائر اختیار کرنے پر کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ اس موقف کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مہاجرین حبشہ کو ہجرت کی اجازت اگرچہ سنہ ۵ نبوی میں اس وقت ملی تھی جب دنیا میں کسی بھی جگہ مسلمانوں کا غلبہ نہیں تھا، لیکن مہاجرین حبشہ سنہ ۷ ہجری تک وہاں قیام پذیر رہے، حالانکہ آپؐ کی ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ دارالاسلام بن گیا تھا، ایسی صورت میں باوجود واپسی پر قدرت رکھنے کے ان صحابہ کا حبشہ میں رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے غیر مسلم ممالک میں جہاں اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی ہو مسلمانوں کا رہنا جائز ہے۔

۲۔غیر مسلم اکثریت کے ساتھ تعلقات کی نوعیت:

اسلام مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت دیتا

ہے؟اس سلسلے میں شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور پیدا کی جاتی ہیں، اسلام دشمن طاقتیں یہ پروپیگنڈہ کرتی ہیں کہ اسلام مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت وعداوت رکھنے کا حکم دیتا ہے، اس پروپیگنڈہ نے ابلاغ کے تمام ذرائع کا استعمال کر کے دنیا کے بہت سے انسانوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے، دوسری طرف خود مسلمانوں میں بھی دین کے غلط تصور کے حامل بعض افراد اور گروہ ایسا ہی سمجھتے ہیں، جب کہ قرآن وحدیث کی واضح ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک ماں باپ کی اولاد تسلیم کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے :"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى" (حجرات ۱۳:) (اے انسانوں ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے)، یعنی اسلام کے نزدیک تمام انسان خواہ وہ کسی مذہب وقوم سے تعلق رکھتے ہوں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک انسانی برادری کے رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں، قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری انسانی برادری قابل تکریم واحترام ہے، اور اس کے تمام افراد کو اس حیات دنیوی میں بہت سی مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے :"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً" (بنی اسرائیل ۷۰:) (ہم نے بنی آدم کو مکرّم کیا اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی)۔

اسی قرآنی نظریہ وتعلیم کی جھلک ہمیں غیر مسلموں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے رویہ میں نظر آتی ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں، آپ کی سیرت طیبہ کے ایک واقعہ کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، اکیلا یہ واقعہ ہی غیر مسلموں کے تئیں آپ کے حسن معاملہ کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ایک موقع پر جب کہ آپؐ اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک یہودی کا جنازہ گزرا، آپؐ جنازہ کے اکرام میں کھڑے ہو گئے، یہ دیکھ کر کسی صحابی نے عرض کیا کہ یہ تو ایک

یہودی کا جنازہ ہے، آپؐ نے فرمایا کیا یہ انسان نہیں ہے، آپؐ کے بعد بعض صحابہؓ بھی غیرمسلموں کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجایا کرتے تھے (بخاری، کتاب الجنائز، باب من قائم لجنازۃ یہودی، حدیث نمبر ۱۳۱۲:)۔

اسی طرح اسلام ایک ہی قوم ونسل کے تمام لوگوں (مسلمانوں اور غیرمسلموں) کے درمیان ایک طرح کی قومی اخوت کو ثابت شدہ قدر مانتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مختلف انبیاء کرام کو ان کی غیرمسلم قوموں کا بھائی قرار دیا ہے، مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

''**والیٰ عادٍ أخاھم ھوداً**'' (اعراف ۶۵:) (اور ہم نے قوم عاد کی جانب ان کے بھائی ہود کو بھیجا)۔

''**والیٰ ثمود أخاھم صالحاً**'' (اعراف ۶۵:) (اور ہم نے قوم ثمود کی جانب ان کے بھائی صالح کو بھیجا)۔

''**والیٰ مدین أخاھم شعیباً**'' (اعراف ۶۵:) (اور ہم نے مدین کی جانب وہاں کے باشندگان کے بھائی شعیب کو نبی بنا کر بھیجا)۔

اسی قومی اخوت کا نتیجہ تھا کہ انبیاء اپنے ہم قوم غیرمسلموں کو 'اے میری قوم' کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے (ملاحظہ: ہو اعراف ۶۵:، ۷۳، ۸۵، ہود ۵۰:، ۶۱، ۸۴، عنکبوت ۳۶:)۔

خود رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے ہم قوم غیرمسلموں کے تئیں قومی اخوت کے رشتہ کی پاسداری کے بہت واقعات ملتے ہیں، بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ خیبر کی فتح کے وقت مکہ میں زبردست قحط تھا، خیبر کے مال غنیمت کا ایک حصہ آپؐ نے مکہ کے فقراء میں تقسیم کرنے کے لئے بعض مشرکین مکہ کو بھیجا تھا (تاریخ یعقوبی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، تاریخ طباعت مذکور نہیں، ۲/۵۶)، اسی طرح آپؐ نے حضرت ابوسفیان (متوفی ۳۱:ھ) کو (ان کے زمانۂ شرک میں) مدینۂ منورہ سے عجوہ کھجور بطور ہدیہ بھیجی تھی (المنتظم، ابن جوزی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۹۹۳، ۵/ ۲۷)۔

لیکن اس انسانی رشتہ اور قومی اخوت کی پاسداری کے حکم کے ساتھ ساتھ اسلام مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے دینی تشخص کی حفاظت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کریں، دیگر ملتوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر دوسروں کا رنگ غالب آجائے اور ''صبغۃ اللّٰہ نی نی ماند پڑ جائے، اور وہ دھیرے دھیرے اپنے امتیازات کو کھو بیٹھیں، مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلام اور اللہ ورسول کے تعلیم کردہ طریقۂ زندگی کو صحیح سمجھا جائے اور بقیہ تمام طریقوں کو غلط سمجھا جائے، اسی لئے آپؐ نے مسلمانوں کو دیگر ملتوں کی نقالی سے بچنے کی سخت تاکید فرماتے ہوئے یہ تک فرمایا کہ جو دوسری قوموں کی نقالی کرے وہ گویا کہ ان ہی میں سے ہے ''**من تشبہ بقومٍ فھو منھم**'' (سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ)۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنے کا یہ حکم بس ان امور کے سلسلے میں ہے جو ان کے مذہبی ومعاشرتی امتیازات کی حیثیت رکھتے ہوں، اس لئے کہ کسی مسلم فرد یا جماعت کے ذریعہ دوسروں کے امتیازی امور کی مشابہت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرد یا جماعت دوسروں سے مرعوب ہے، ایسی صورت میں یہ بات بالکل قرین قیاس ہوگی کہ ایسے مسلمان اپنی اسلامیت اور دینی وعلمی خصوصیات کو ترک کرکے دوسروں میں ضم ہوجائیں، ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں :''**لأن المشابھۃ فی بعض الھدی الظاھر یوجب المقاربۃ ونوعاً من المناسبۃ ویفضی إلی المشارکۃ فی خصائصھم التی انفردوا بھا عن المسلمین... وذلک یجر إلی فساد عریض**'' (الفتاوی الکبری ۶: ۱۷۲، مطبوعہ، دارالمعرفہ، بیروت، طبع اول، ۱۳۸۶ھ) (ترجمہ: اس لئے کہ طرز زندگی سے متعلق بعض ظاہری امور میں غیروں کی مشابہت سے دیگر ملتوں سے ذہنی ومعاشرتی قربت ومناسبت پیدا ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں ان کی امتیازی خصوصیات میں اشتراک پیدا ہو

جاتا ہے...اور یہ بڑے بگاڑ کا باعث ہے)۔

البحر الرائق میں ہے:

"ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شيء، فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً وفيما يقصد به التشبه" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۲: /۱۱، زین الدین ابن نجیم حنفی، دار المعرفہ، بیروت، تاریخ طباعت درج نہیں)۔

(اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہر چیز میں ناپسندیدہ نہیں ہے، آخر ہم ان ہی کی طرح کھاتے پیتے ہیں، مشابہت ان امور میں حرام ہے جو فی ذاتہ مذموم ہوں یا انہیں تشبہ کی نیت سے ہی اختیار کیا جائے)۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جن حدیثوں میں بعض احکام (اوامر ومنہیات) کی علت مشرکین یا اہل کتاب کی مخالفت بتائی ہے، ان میں مذکور احکام وہی ہیں جن کے سلسلے میں کسی دوسری ملت کا طرز عمل اس کی امتیازی پہچان بن گئی تھی، مثلاً مشرکین داڑھی چھوٹی اور مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"خالفوا المشركين، وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب"** (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الأظفار، حدیث نمبر ۵۵۵۳:)، (مشرکین سے الگ طرز اختیار کرتے ہوئے داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو) اسی طرح یہودی سلام کرتے وقت انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے اور نصاریٰ ہتھیلیوں سے، آپؐ نے حکم دیا **"لاتشبهوا باليهود ولا بالنصارىٰ فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع وتسليم النصارى الإشارة بالأكف"** (سنن ترمذی، کتاب الاستئذان، باب إشارة الید بالسلام، حدیث نمبر ۲۶۹۵:) (یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو، یہودی سلام میں انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلیوں سے)۔

۳۔غیر مسلم ممالک میں شرعی نظامِ قضا:

اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے، اس کی شریعت کا دائرہ صرف عبادات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر شریعت اسلامی محیط ہے، اسی ہمہ گیری کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تنازعات اسلامی شریعت کے مطابق فیصل کرانے کا حکم ہے۔ یہ حکم کتنا مؤکد ہے اس کا اندازہ سورۂ نساء کی آیت (۶۰) سے ہوتا ہے، اس آیت میں دعوائے اسلام کے باوجود غیر اسلامی عدالتوں میں اپنے مقدمات لے جانے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً" (سورۂ نساء ۶۰:)۔

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو تم پر اور تم سے پہلے (کے انبیاء پر) نازل ہونے والے دین پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں، حالانکہ ان کو طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا تھا، اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر راستے سے دور ڈال دے)۔

درج بالا آیت سے چند آیات کے بعد یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ:

"فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيْما" (نساء ۶۵:)۔

(آپ کے رب کی قسم جب تک یہ اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلے پر تنگ دل نہ ہوں بلکہ خوشی خوشی اسے مان لیں تب تک یہ لوگ (سچے) مومن نہیں ہوں گے)۔

اس آیت میں اپنے تنازعات میں آپؐ کو منصف بنانے اور پھر آپؐ کے فیصلے کو بے

چون و چرا تسلیم کرنے کو جو گویا شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب صرف آپؐ کو منصف بنانے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب شریعت کے مطابق اپنے تمام تنازعات کو فیصل کرانا اور شرعی فیصلوں کو بے چون و چرا تسلیم کرنا ہے، ان آیات کے نزول کے وقت چونکہ مسلمانوں کے اصل قاضی بھی رسول اکرمؐ ہی تھے، اس لئے آپؐ کو منصف بنانے اور آپؐ کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کو کہا گیا ہے، آپ کی حیات کے بعد اب شرعی نظام قضا کے تحت نصب کئے گئے قاضیوں کی عدالت میں اپنے تنازعات لے جانے کا یہی حکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے نصب قاضی کو فرض قرار دیا ہے، مثلاً امام ابوبکر کاسانیؒ (متوفی ۵۸۷ھ) نے لکھا ہے:

"نصب القاضی فرضٌ لانه ینصب لاقامة امر مفروض وهو القضاء" (بدائع الصنائع ۷: / ۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۲ء)۔

(نصب قاضی یعنی قاضی مقرر کرنا فرض ہے، اس لئے کہ قاضی کا تقرر ایک فرض کام یعنی قضا کے لئے ہوتا ہے)۔

مسلم ممالک میں نصب قاضی کا یہ کام حکمراں کرتا ہے، لیکن وہ غیر مسلم ممالک جہاں کے حکمراں غیر مسلم ہوں، قوانین غیر اسلامی ہوں، اور نظام قضا غیر شرعی ہو، وہاں کے مسلمان اہل حل وعقد مسلمانوں کے تنازعات فیصل کرانے کے لئے قاضی مقرر کریں گے، مشہور حنفی فقیہ شیخ محمود بن اسرائیل (متوفی ۸۲۳ھ) اپنی کتاب جامع الفصولین میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأمافی بلادٍ علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمعة والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین..." (جامع الفصولین ۱: / ۱۴، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی)۔

(جن علاقوں میں کافر حکمراں ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے قیام جمعہ وعیدین

جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے شرعی قاضی کا تقرر ہوگا)۔

متعدد فقہاء و متکلمین کی عبارتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قاضی کے تقرر میں تمام مسلمانوں کی رضامندی نہیں بلکہ اہل حل وعقد کی رضامندی کا اعتبار ہے۔

مشہور شافعی فقیہ زین الدین بن عبدالعزیز مالیباری (متوفی ۹۸۷ھ) اپنی کتاب فتح المعین میں نصب قاضی کے طریقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فإن فقدالامام فتولية أهل الحل والعقد فى البلد أوبعضهم مع رضاالباقين" (فتح المعین ۴: /۲۴۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۸ھ)۔

(اگر امام المسلمین (یعنی مسلم حکومت) نہ ہو تو شہر کے تمام اہل حل وعقد کی طرف سے تفویض قضا یا پھر بعض اہل حل عقد کی طرف سے تفویض قضا اور بقیہ اہل حل وعقد کی طرف سے رضامندی ضروری ہے)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام مسلمانوں (بشمول غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں) کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے تنازعات اسلامی نظام قضا کے تحت قائم عدالتوں میں فیصل کرائیں، یہ ایسا ضروری فریضہ ہے کہ قرآن مجید نے اسے گویا کہ شرطِ ایمان قرار دیا ہے، غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے اہل حل وعقد مناسب اور اہل شخص کو قاضی مقرر کرسکتے ہیں۔ان کے ذریعہ مقرر کئے جانے سے قاضی شرعی قاضی ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے تنازعات اسی کی عدالت میں فیصل کرانے چاہئیں۔

۴۔ کچھ اور مسائل:

گزشتہ صفحات میں جن مسائل پر گفتگو کی گئی ہے ان کے علاوہ بہت سے ایسے جزوی واصولی مسائل ہیں جو مسلم اقلیتوں کو درپیش ہیں، ایسے ہی چند مسائل کی بابت اسلامک فقہ

اکیڈمی نے اپنا چودھواں سیمینار حیدرآباد میں منعقد کیا تھا، اگلے صفحات میں اکیڈمی کے اس سیمینار کے فیصلے (مع تشریح) پیش خدمت ہیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل کی بابت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے فیصلے

۱۔ اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے۔ لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کیلئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

تشریح:

مسلمانوں کیلئے مثالی صورت تو یہی ہے کہ ان کے معاشرہ میں ایسا اسلامی نظام حکومت قائم ہو جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت پر مبنی اور اس کا پاسبان ہو، لیکن ظاہر ہے کہ عصر حاضر میں مسلم اقلیتوں کے لئے اپنے ممالک میں ایسا اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ممکن نہیں ہے، دیگر نظامہائے حکومت میں چونکہ عوام بالخصوص اقلیت کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اس لئے ان نظاموں کے تحت رہتے ہوئے مسلم اقلیتیں اپنے حقوق و مصالح کا تحفظ نہیں کرسکتی ہیں، جب کہ مروجہ جمہوری نظام میں عوام بلکہ ہر قابل لحاظ تعداد کی حامل اقلیت کا بھی ایک وزن اور کردار ہوتا ہے، اس لئے یہی نظام مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے کہ اس کے تحت وہ اپنے ملی اور

مذہبی مفادات وحقوق کی حفاظت کرسکتی ہیں، اب جب یہی جمہوری نظام ان کے لیے قابل ترجیح ہے تو پھر ان کے لئے الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا بھی جائز ہے، اس لئے کہ ان ہی ذرائع کو اختیار کر کے مسلم اقلیتیں جمہوری نظام میں اپنا وزن اور کردار حاصل کرسکتی ہیں، ان سے اجتناب کر کے وہ جمہوریت میں بے وزن ہی رہیں گی، غرض جمہوری ممالک میں انتخابات میں شرکت سے چونکہ بے شمار دینی وملی مصالح وابستہ ہیں اور کہیں کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور وجود ہی خطرہ میں ہوگا اس لئے انتخابات کے عمل میں ہر طرح کی شرکت جائز ہوگی، بلکہ مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضہ ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں، اس لئے کہ وہ جتنا زیادہ یہ حق استعمال کریں گے سیاسی جماعتیں اور حکومتیں ان کو اتنی زیادہ ہی اہمیت دیں گی، پھر چونکہ جمہوری نظام میں پارلیمنٹ ہی میں تقریباً تمام اہم فیصلے کئے جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کا امیدوار بن کر پارلیمنٹ میں پہنچنے کی کوشش کرنا بھی جائز ہوگا تاکہ وہ وہاں پہنچ کر مسلمانوں کے ہر طرح کے مفادات کا تحفظ یقینی بنا سکیں۔

۳۔ جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں، اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

تشریح:

اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز یا ان کا کسی بھی طرح کا تعاون حرام ہے، قرآن مجید نے متعدد آیات میں یہ وضاحت کی ہے کہ ان دشمنان اسلام سے سیاسی تعلق رکھنا حرام ہے، سورۂ ممتحنہ کا آغاز یوں ہوتا ہے:

یاأیھاالذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء (ممتحنہ:۱) (اے ایمان والو! میرے اوراپنے دشمنوں کو ''ولی'' نہ بناؤ)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے ہر عہد میں اسلام و مسلم مخالف طاقتوں کا تعاون کرنے کو قابل سزا جرم قرار دیا ہے، عباسی خلفیہ ہارون رشید (متوفی ۱۹۵: ھ) نے امام ابویوسفؒ (متوفی ۱۸۲: ھ) سے ان لوگوں کی بابت حکم شرعی دریافت کیا جو مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر ان کے دشمنوں کے لئے جاسوسی کریں، اور اس طرح ان کا تعاون کریں، امام موصوف نے فرمایا کہ اگر یہ جاسوس ذمی اور حربی ہوں تو ان کو قتل کردیا جائے، اور اگر اس حرکت کا ارتکاب مسلمان کریں تو انہیں سخت سزا دی جائے اور جب تک اپنے اس عمل سے توبہ نہ کرلیں انہیں قید رکھا جائے (الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الأوقاف والشئون ال إسلامیۃ، کویت، طبع اعل، ۱۰/۱۶۲[تجسس]، بحوالہ الخراج ۲۰۵:،۲۰۶)۔

ظاہر ہے کہ جمہوری نظام میں کسی اسلام و مسلم دشمن سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کرنا یا اس کو ووٹ دینا مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی اسی طرح کی مدد ہے جس طرح کی مدد مسلم دشمن ملک کے جاسوس کرتے ہیں، اس لئے ایسی جماعتوں میں شمولیت یا ان کو ووٹ دینا بھی حرام ہوگا۔

رائج جمہوری نظام میں چونکہ کسی پارٹی کے ایک یا معدودے چند ارکان کا کوئی نمایاں کردار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اصل کردار پارٹی کی قیادت، پالیسی ساز افراد یا اکثر ارکان کا ہوتا ہے اس لئے کسی ایسی جماعت کے نیک خصلت امیدوار کو ووٹ دینا بھی ناجائز ہوگا، اس کی فتح بھی اسلام و مسلم مخالف سیاسی جماعت اور اس کے نظریہ کو ہی طاقت پہنچائے گی۔

۴— جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

تشریح:

ایسی سیاسی پارٹیاں جوسیکولر ہوں، یعنی مذہب کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان تفریق کی قائل نہ ہوں ان کے ساتھ ملی مفادات کے پیش نظر معاہدے کئے جاسکتے ہیں، خواہ ان پارٹیوں کی قیادت غیر مسلموں کے ہاتھ ہی میں کیوں نہ ہو۔

ملی مفادات کے تحت غیر مسلموں سے معاہدہ کی ایک مثال ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی ملتی ہے، یہ مثال وہ میثاق مدینہ ہے جو آں حضرت ﷺ کے حکم پر آپ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد مرتب کیا گیا تھا، اس وقت اسلامی حکومت قائم ہورہی تھی اور ابھی اسے اپنے پاؤں پر مکمل طور پر کھڑے ہونے کو کچھ اور وقت درکار تھا، اس معاہدہ نامہ میں تحریر کیا گیا تھا کہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ یہودی بھی دیں گے، نیز اس معاہدہ میں بنوعوف، بنونجار، بنوحارث، بنوساعدہ، بنوجشم، بنو اوس اور بنوثعلبہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ''برادران قوم نی نی (اُمۃ مع المؤمنین) قرار دیا گیا تھا، (البدایۃ والنہایۃ، از ابن کثیر، مکتبۃ المعارف، بیروت، تاریخ طباعت درج نہیں، ۳/۲۲۵)۔

قرآن مجید نے بھی وضاحت کی ہے کہ جو لوگ دین کی بنیاد پر مسلمانوں سے جنگ نہ کریں، انہیں ان کے وطنوں اور گھروں سے بے دخل نہ کریں، ان کے ساتھ مثبت تعلقات رکھے جاسکتے ہیں بلکہ رکھے جانے چاہییں، ارشاد ہوا ہے :''**لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا إلیھم ان اللہ یحب المقسطین**'' (جن کافروں نے دین کی وجہ سے تم سے جنگ نہیں کی ہے، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اللہ تم کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا ہے، اللہ کو انصاف کا معاملہ کرنے والے پسند ہیں)۔

۵— ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے، اور ان کے اشتراک

سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

تشریح:

عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا اسلام کو محبوب ہے، عدل وانصاف اس کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں، ارشاد ربانی ہے: **إن الله يامر بالعدل والإحسان** (نحل ۹۰:) (اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)، امن وسلامتی کا قیام بھی اسے حد درجہ مطلوب ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سورۂ انفال میں جہاں کافروں سے جنگ وقتال کی بھرپور تیاری کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم لاتعلمونهم الله يعلمهم (انفال ۶۰:)۔

(اور تم لوگ جتنا کرسکو زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لئے مہیا رکھو، تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو جن کو تم نہیں جانتے، مگر اللہ جانتا ہے)۔

وہیں اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها (انفال ۶۱:)۔

(اور اگر وہ (دشمن) صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہوجاؤ)۔

درج بالا سطروں سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ اسلام کو معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا از حد محبوب ومطلوب ہے، لہذا اس مقصد کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کوششیں کرنا اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں قائم کرنا بھی صحیح ہوگا،

سورۂ انفال کی درج بالا آیت میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ مل کر امن وسلامتی کے قیام کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ جس میثاقِ مدینہ کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہوا ہے وہ بھی دراصل مسلمانوں اور یہودیوں کے اشتراک سے عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کی ہی ایک کوشش تھی، اس معاہدہ کا مقصد مدینۂ منورہ کے معاشرہ میں عدل وانصاف کا قیام نیز امن وسلامتی کا تحفظ ہی تھا، اس کی دفعات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بآسانی واضح ہوجاتی ہے۔علامہ شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء) نے اپنی سیرت النبیؐ میں اس پورے معاہدہ کا خلاصہ ان سات نکات میں بیان فرمایا ہے:

۱—خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا۔

۲— یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳— یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴— یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵— کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶— مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے۔

۷— کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی (سیرت النبیؐ از علامہ شبلی نعمانیؒ ۱: / ۱۸۴، مطبوعہ: الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور)۔

ان سات نکات کا جو شخص بھی بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ یقیناً اسی نتیجہ تک پہنچے گا کہ اس

پورے معاہدہ کا اصل مقصد مدینہ منورہ کے معاشرہ میں مسلمانوں اورغیر مسلموں کے باہمی تعاون ومعاہدہ کے ذریعہ عدل وانصاف اورامن وسلامتی کی فضا قائم کرنا تھا، اوراس طرح آں حضرت ﷺ کے حکم پر تحریر کیا گیا یہ میثاق ہراس مسلم اقلیت کے لئے نشانِ راہ ہے جو ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتی ہو۔

٦ — مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین وایمان اوراپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہیے جس سے اپنے دینی وملی تشخص کی حفاظت کرسکیں۔

تشریح:

مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ اپنے اور اپنی آئندہ نسل کے دین وایمان کی حفاظت ہے، قرآن مجید میں اسی فریضہ کی یاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے : **"یاأیھا الذین آمنوا قوا انفسکم وأھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارة"** (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے)، جہنم کی اس آگ سے خود کو اور اپنے اہل وعیال کو بچانے کے لئے یہ لازم ہے کہ انسان ہراس تدبیر کو اختیار کرے جس سے اس کا دین وایمان اور دینی تشخص باقی رہے، نیز اپنے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرے جس سے ان کی دینی وملی تشخص کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے اور انہیں کفر کی تہذیب کے رنگ میں رنگنے سے بچایا جاسکے۔ اسی پس منظر میں غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے رہائش کی جگہ کا انتخاب اور نظام تعلیم وتربیت کا انتظام بہت اہمیت اختیار کرجاتا ہے، اس لئے کہ انسان پر اپنے گردوپیش کے ماحول کا بہت اثر پڑتا ہے، ہندوستان جیسے ممالک میں نہ جانے کتنے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے لئے رہائش

کی جگہ کا انتخاب کرتے ہوئے اس پہلو سے صرف نظر کیا اور پھر ماحول کے اثرات نے ان کی دینی حالت پر منفی اثر ڈالا۔ اسی طرح نہ جانے مسلمانوں کے کتنے ایسے نونہال ہیں جن کی تعلیم وتربیت ایسے اداروں میں ہوئی جہاں کی مسموم فضا اور جہاں کے برخود غلط نظام تربیت نے بچوں کو اپنے دین وایمان اور اپنی تہذیب سے باغی بنا دیا۔

اس لئے اگر کسی محلہ، گاؤں یا کالونی کے ماحول میں کفر وشرک یا خدا بیزاری کی تہذیب کا ایسا دبدبہ ہو کہ وہاں رہ کر مسلمانوں کے لئے اپنے دینی وملی تشخص پر قائم رہنا مشکل ہو تو مسلمانوں کو وہاں رہائش اختیار نہیں کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنے تشخص کی حفاظت کرسکیں۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسا انتظام کریں کہ وہ غیروں کے قائم کردہ نظام تعلیم کے اثراتِ بد سے محفوظ رہ سکیں۔

۷۔ اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کے بیماری وغم کے موقعوں پر ان کی عیادت وتعزیت کی جائے گی۔

تشریح:

اسلام نے پڑوسیوں اور اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید کی ہے، اہل تعلق سے مراد صرف رشتہ دار یا مستقل کے احباب ودیگر اہل تعلق ہی نہیں ہیں، اس کے دائرہ کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید نے ''الصاحب بالجنب نی نی سے بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے (نساء۳۶:) ''الصاحب بالجنب نی نی کون ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (متوفی ۱۳۹۷ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''اس کے لفظی معنیٰ ''ہم پہلو ساتھی نی نی کے ہیں، جس میں رفیق سفر بھی داخل ہے، جو ریل میں، جہاز میں، بس میں، گاڑی میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، اور وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی عام مجلس میں آپ کے برابر بیٹھا ہو۔ شریعت اسلامیہ نے جس طرح نزدیک ودور کے دائمی پڑوسیوں

کے حقوق واجب فرمائے اسی طرح اس شخص کا بھی حق صحبت لازم کر دیا جو تھوڑی دیر کے لئے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، جس میں مسلم وغیر مسلم اور رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب برابر ہیں، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت فرمائی، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل سے اس کو ایذاء نہ پہنچے، کوئی گفتگو ایسی نہ کریں جس سے اس کی دل آزاری ہو، کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اس کو تکلیف ہو... بعض حضرت مفسرین نے فرمایا کہ صاحب بالجنب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی کام میں اور کسی پیشہ میں آپ کا شریک ہے، صنعت میں، مزدوری میں، دفتر کی ملازمت میں، سفر میں، حضر میں نی نی (معارف القرآن ۲: / ۴۱۳ – ۴۱۲، مطبوعہ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

درج بالا اقتباس سے جہاں اہل تعلق کے دائرہ کی اس وسعت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس تعلق (اور پڑوسیوں) کے ساتھ حسن تعلق کا حکم مسلم وغیر مسلم سب کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرتؐ سے بعض غیر مسلم اہل تعلق کی عیادت ثابت ہے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی بچہ آپ کی خدمت کر دیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے (صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ المشرک، حدیث نمبر ۵۶۵۷:)۔

پس اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق سے عیادت وتعزیت کی جانی چاہئے۔

۸– وندے ماترم گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں، اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے۔ اور ان پر اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

تشریح:

اسلام کی بنیاد اس کے عقیدۂ توحید پر ہے، یہ اس کی ایسی بنیاد ہے جس میں ذرا سے رخنہ سے پوری عمارت ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اس سلسلہ میں نہایت حساس واقع ہوا ہے، شرک تو شرک ہے، اسلام شائبہ شرک سے بھی دور رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں عقیدۂ توحید اختیار کرنے اور شرک سے اجتناب کی ہدایت بلا مبالغہ ہزاروں بار دی گئی ہے، قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے : ''و اعبدو اللہ و لا تشر کو ابہ شیئاً'' (نساء ۳۶:) (اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ) ۔توحید کی حقیقت ہے: تنہا اللہ تعالیٰ کو خالق ورب العالمین، ہر عیب ونقص سے پاک اور ہر صفتِ کمال سے متصف ماننا، نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اسی کی ذات والا صفات کے حکم سے ہر خیر وشر وجود میں آتا ہے، دنیا میں جس کو جو نفع پہنچتا ہے اسی کے اختیار سے پہنچتا ہے اور جو شر پہنچتا ہے وہ بھی اسی کے حکم ومشیت سے پہنچتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے، جب کہ ان صفات میں کسی کو اللہ کا شریک اور ساجھی ماننا شرک ہے۔

توحید وشرک کی حقیقت پر اس مختصر کلام کے بعد آئیے دیکھتے ہیں کہ وندے ماترم گیت میں کیا کہا گیا ہے؟ اس کے چند بندوں کا ترجمہ ذیل میں حاضر ہے:

''میں تیری عبادت کرتا ہوں اے اچھے پانی، اچھے پھل، بھینی بھینی خشک جنوبی ہواؤں اور شاداب کھیتی والی میری ماں، حسین چاندنی سے روشن رات والی، شگفتہ پھولوں والی، گنجان درختوں والی، میٹھی ہنسی، میٹھی زبان والی، خوشی دینے والی، برکت دینے والی ماں، میں تیری عبادت کرتا ہوں، اے میری ماں، تیس کروڑ لوگوں کی پر جوش آوازیں، ساٹھ کروڑ بازو میں سمیٹنے والی تلواریں، کیا اتنی طاقت کے بعد بھی تو کمزور ہے میری ماں، تو ہی میرے بازو کی قوت ہے، میں تیرے قدم چومتا ہوں اے میری ماں، تو ہی میرا علم ہے، تو ہی میرا مذہب ہے، تو ہی

میرا باطن ہے، تو ہی میرا مقصد ہے، تو ہی جسم کی روح، تو ہی بازو کی طاقت ہے، تو ہی دلوں کی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی مندر میں ہے، تو ہی درگا، دس مسلح ہاتھوں والی تو ہی کملا ہے، تو ہی کنول کے پھولوں کی بہار ہے، تو ہی پانی ہے، تو ہی علم دینے والی ہے، میں تیرا غلام ہوں، غلام کا غلام ہوں، غلام کے غلام کا غلام ہوں، اچھے پھل والی میری ماں، میں تیرا بندہ ہوں، لہلہاتے کھیتوں والی مقدس موہنی، آراستہ پیراستہ، بڑی قدرت والی قائم ودائم ماں، میں تیرا بندہ ہوں، اے میری ماں، میں تیرا غلام ہوں نی نی۔

اس گیت میں ہندوستان کو ئی ماں نی نی کہا گیا ہے، ہندوؤں کے یہاں مؤنث معبودوں (دیویوں) کو بھی ماں کہا جاتا ہے۔ درج بالا ترجمہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں ماں کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے، شاعر ملک کو ماں کہہ کر مخاطب کر رہا ہے اور پھر اس کے لئے بندگی وعبادت کا اقرار کر رہا ہے، وہ واضح طور پر کہتا ہے کہ: ''خوشی دینے والی برکت دینے والی ماں، میں تیری عبادت کرتا ہوں... تیری ہی محبوب مورتی مندر میں ہے، تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی... تو ہی علم دینے والی ہے، میں تیرا غلام ہوں... میں تیرا بندہ ہوں... بڑی قدرت والی قائم ودائم ماں، میں تیرا بندہ ہوں، اے میری ماں میں تیرا غلام ہوں نی نی، ظاہر ہے یہ سب جملے شرکیہ ہیں، ان میں شرک ڈھکا چھپا نہیں اعلانیہ ہے، لہذا کسی بھی مسلمان کے لئے اس جیسے کسی گیت کو گانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس سے احتراز ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۹۔ اگر غیر اسلامی قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلہ ہو جائے، تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے، یہ سیمینار تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات دار القضاء ہی میں لے جائیں، اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے۔

تشریح:

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے لئے بھی اپنے تنازعات اسلامی دار القضاء میں لے جانا ضروری ہے، ہم نے پیچھے یہ وضاحت کی ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی اپنے مقدمات غیر اسلامی عدالتوں میں لے جائیں، قرآن مجید کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ شیطان انہیں گمراہی میں بہت دور لے گیا ہے (سورۃ نساء ۶۰:)۔

لیکن پھر بھی اگر کوئی مسلمان اپنا مقدمہ غیر اسلامی عدالت میں لے جائے، اور عدالت اس کے حق میں خلاف شرع فیصلہ کردے تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر اسلامی احکام کے مطابق عمل کرنا لازم ہے، عدالت کے فیصلہ سے حرام حلال نہیں ہو جاتا ہے۔

غیر اسلامی عدالتوں اور وہاں کے قاضیوں (ججوں) کا تو ذکر کیا، رسول اکرم ﷺ نے اپنی عدالت سے صادر ہونے والے فیصلوں کی بابت یہ آگاہی دی تھی کہ:

"**إنما أنا بشر وإنه ياتينى الخصم، فلعلّ بعضكم أن يكون ابلغ من بعض فاحسب إنه صادق فأقضى له بذلک فمن قضيت له بحقّ مسلم فإنما هى قطعة من النار فليأخذها أو ليتركها**" (صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب من قضى له بحق أخيه فلا يأخذه فإنّ قضاء الحاكم لا يحلّ حراماً ولا يحرّم حلالاً)۔

(میں ایک انسان ہوں، میرے پاس مقدمہ کا فریق آتا ہے، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بلیغ (چرب زبان) ہو، (اس کی چرب زبانی کی وجہ سے) میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے، اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، میں جس کے لئے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا ہے، اب وہ چاہے تو

آگ کا یہ ٹکڑا لے لے یا چھوڑ دے)۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے زور بیان اور اپنی چرب زبانی کر کے آپؐ کی عدالت سے بھی کوئی غلط فیصلہ کروالیتا اور اس فیصلہ کے ذریعہ وہ کسی اور مسلمان کا حق یا مال غصب کرلیتا تو ایسا کرنا اس کے لئے صحیح نہیں ہوتا، اس مضمون کی تاکید کے لئے آپؐ نے یہ تک فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ اس مسلمان کے حق میں آگ کا ٹکڑا ہے، یعنی اگر وہ اس فیصلہ کی بنیاد پر کسی مسلمان کا حق یا مال لے لیتا ہے تو گویا کہ جہنم میں لے جانے والا کام کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی عدالت اور قاضی کا فیصلہ (خواہ وہ رسول اکرمؐ کا ہی کیوں نہ ہو) اگر کسی وجہ سے غلط ہو تو وہ کسی حرام چیز کو حلال نہیں کردیتا ہے، اور ایسے فیصلہ کی بنیاد پر ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کا مال یا حق غصب کرنے کا حق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت پر یہ ترجمۃ الباب منعقد کیا ہے: **"باب من قضی له بحق أخیه فلا یأخذه، فانّ قضاء الحاکم لا یُحل حراما و لا یحرم حلالاً"** (باب: جس کسی کے حق میں کسی دوسرے کے حق کا فیصلہ کردیا جائے وہ اسے نہ لے، اس لئے کہ حاکم کا فیصلہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہیں کردیتا ہے)۔

اس مسئلہ کو ہم اس مثال کے ذریعہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں: اسلام کا اپنا ایک نظام وراثت ہے، اس نظام کے تحت ورثہ اور ان کے حصوں کی تفصیل کتاب وسنت میں بیان کی گئی ہے، جب کہ بعض غیر مسلم ممالک کا نظام میراث بالکل مختلف ہے، مثلاً ہندوستان کی متعدد ریاستوں میں زرعی زمینوں میں خواتین کو حق وراثت حاصل نہیں ہے، اب اگر کوئی عدالت میراث کی تقسیم صرف مردوں میں کرے اور خواتین کو اس سے محروم کردے تو ایسی صورت میں مسلمان مردوں کے لئے خواتین کا حصہ حاصل کرنا غلط اور حرام ہے، عدالت کے اس فیصلہ سے ان کو خواتین کے حصہ پر خود قبضہ کرلینے کا حق حاصل نہ ہوگا، اور اگر وہ ایسا کریں گے تو درج بالا حدیث کی

روشنی میں گویا آگ کا ایک ٹکڑا حاصل کریں گے۔

اس لئے اکیڈمی کے اس سیمینار نے مسلمانوں سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ ''اپنے تنازعات دارالقضاء ہی میں لے جائیں، اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں، اور اس کے مطابق عمل کریں نی نی۔ اکیڈمی نے دارالقضاء ہی سے رجوع کرنے کی اس اپیل کی ایک اور وجہ یہ بھی بتائی تھی کہ ''بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے نی نی۔ مثلاً فسخ نکاح کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے، غیر مسلم قاضی یا جج کے ذریعہ نکاح فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے، اب ایسی صورت میں عورت کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز نہیں ہوتی ہے، اور اگر وہ کہیں نکاح کر بھی لے تو اس کا نکاح نہ ہوگا کہ پہلا نکاح ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

۱۰۔ وحدت ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے، اور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے، اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنے سے بچنا چاہئے۔

تشریح:

نظریۂ وحدت ادیان کا حاصل یہ ہے کہ تمام مذاہب برحق ہیں، ان کی مثال ایسے مختلف راستوں کی ہے جو ہیں تو متعدد لیکن ایک ہی منزل تک پہنچاتے ہیں، لہٰذا کسی مذہب پر تنقید نہیں کرنی چاہئے، اور کسی مذہب کو کسی دوسرے مذہب کے مقابلہ راجح قرار نہیں دینا چاہئے۔

اس نظریہ کے علمبردار کہتے ہیں کہ دنیا میں تمام اختلافات کی جڑ متعدد مذاہب کا وجود ہے، یہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے خلاف آمادۂ جنگ کرتا ہے، اگر وحدت ادیان کا

نظریہ مان لیا جائے تو تمام اختلافات، لڑائیوں اور جنگوں کا خاتمہ ہوجائے، پھر نہ کوئی جنگ ہوگی اور نہ کوئی اختلاف، اس لئے کہ پھر تمام مذاہب کو ایک ہی مقصد کے لئے کوشاں مانا جائے گا اور پھر انسانوں میں باہم کوئی اختلاف نہ ہوگا۔

ظاہر ہے اسلام کی نگاہ میں یہ نظریہ باطل ہے، اس کا صاف اعلان ہے :"**إن الدين عند الله الإسلام**" (آل عمران ۱۹:) (اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے)، اس کے علاوہ جتنے دین ہیں وہ ان سب کو گمراہی اور ضلال کہتا ہے :"**فماذا بعد الحق إلا الضلال**" (یونس ۳۲:) (حق کے علاوہ سوائے گمراہی کے اور کیا ہے)۔ اس کے نزدیک اسلام کے علاوہ دیگر ادیان ناقابل قبول ہیں، اور ان کو ماننے والے آخرت میں خسارہ اٹھانے والے یعنی جہنمی ہیں :"**ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين**" (آل عمران ۸۵:) (اس اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا)۔

انسانی عقلوں کے تراشیدہ دینوں کا تو کہنا کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کردہ پچھلے ادیان کی بابت بھی اسلام کا ماننا یہ ہے کہ نبوت محمدیؐ کے بعد ان کا اتباع گمراہی ہے، ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا :"**والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسىٰ فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ولو كان حيا وأدرك نبوتي لاتبعني**" (سنن دارمی، مقدمہ: باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ وقول غیرہ عند قولہ ﷺ، حدیث نمبر ۴۳۵:) (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر تمہارے پاس موسیٰؑ آجائیں، اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کا اتباع کرلو تو تم گم کردۂ راہِ حق ہوگے، اگر موسیٰؑ حیات ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میرا ہی اتباع کرتے)۔

وحدتِ ادیان کی بابت یہ تو اسلام کا بے لچک اور واضح نظریہ ہے، اب ذرا عقل کی

روشنی میں بھی اس پر غور کر لیجئے، کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو ہی معبود حقیقی ماننے والا دین اور اس کے ساتھ لاکھوں کروڑوں کو لائق عبادت قرار دینے والے دینوں کے درمیان وحدت کا تصور رکھا جائے؟ توحید خالص کو نجات اخروی کے لئے لازمی قرار دینے والے دین اور شرک کی بنیاد پر قائم ادیان کے درمیان یکسانیت کی بات کیا کوئی عقل سلیم کہہ سکتی ہے؟ شرک کو اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت ماننے والے دین اور شرک کی بنیاد پر قائم دینوں کو کیا ایک ہی منزل کی مختلف راہیں کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق کہنے والے دین اور اسے عاجز و بے کس نیز دوسروں کا ضرورت مند کہنے والے ادیان کے درمیان کیا وحدتِ ادیان کا تصور ممکن ہے؟ ظاہر ہے نہیں اور ہرگز نہیں، عقل انسانی بھی اس نظریہ کو بے بنیاد اور برخود غلط ہی کہتی ہے۔

ہم نے اوپر لکھا تھا کہ: ''اس نظریہ کے علمبردار کہتے ہیں کہ دنیا میں تمام اختلافات کی جڑ متعدد مذاہب کا وجود ہے، یہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے خلاف آمادۂ جنگ کرتا ہے، اگر وحدت ادیان کا نظریہ مان لیا جائے تو تمام اختلافات، لڑائیوں اور جنگوں کا خاتمہ ہو جائے، پھر نہ کوئی جنگ ہوگی اور نہ کوئی اختلاف، اس لئے کہ پھر تمام مذاہب کو ایک ہی مقصد کے لئے کوشاں مانا جائے گا اور پھر انسانوں میں باہم کوئی اختلاف نہ ہوگا فی نی، آئیے اس دعوے کو بھی حقیقت کی کسوٹی پر کس لیجئے۔

کیا دنیا میں واقعی متعدد مذاہب کا وجود ہی تمام اختلافات اور لڑائیوں کی بنیاد ہے، اپنے ہی گرد و پیش پر نظر ڈال لیجئے، برادران وطن میں صدیوں سے جو طبقاتی کشمکش چلی آ رہی ہے، اور جس کے نتیجے میں نہ جانے کتنے بندگان خدا اونچی ذاتوں کے ظلم و قہر کا شکار ہوئے ہیں، کیا اس کا سبب مذہب کا اختلاف ہے؟ ملک کے شمال مشرقی حصہ میں برپا مسلح تحریک کے پیچھے کیا مذہبی جذبہ کارفرما ہے؟، ملک میں تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی نکسل تحریک کی بنیاد کیا

مذہب پر ہے؟ عالمی پیمانہ پر دیکھیں تو کیا گزشتہ صدی میں ہونے والی دو عالمی جنگوں کا سبب مذہب تھا؟ ظاہر ہے نہیں۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ وحدتِ ادیان کا تصور غیر اسلامی اور غیر عقلی ہے، نیز اس کی جو افادیت بتائی جاتی ہے وہ بھی ''خانہ ساز نی نی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو یہ نظریہ اسلام دشمن ہے، اسلام کی تو بنیاد ہی دیگر ادیان کی تغلیط پر ہے، اگر تمام ادیان کو کوئی شخص برحق سمجھنے لگے تو اس کا دین وایمان ہی محفوظ نہیں رہے گا، یہاں تک کہ اگر کوئی پچھلے آسمانی مذاہب کو بھی اب لائق اتباع جاننے لگے تو وہ بھی (جیسا کہ پیچھے گزر چکا) گمراہ ہی ہے، اسی لئے اکیڈمی کا یہ احساس بالکل صحیح ہے کہ یہ نظریہ نی نی دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے، اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنے سے بچنا چاہئے نی نی۔

۱۱- اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا مسلمانوں کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

تشریح:

انسانی اخوت کی پاسداری کی تعلیم اسلام میں کتنے پرزور انداز میں دی گئی ہے، ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں، آں حضرت ﷺ کے ذریعہ غیر مسلموں کی مدد کے بھی متعدد واقعات کا تذکرہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، غیر مسلم مظلوموں کی مدد بھی اسی انسانی اخوت کی پاسداری کی ایک صورت ہے اور اس لئے اخلاقی ومذہبی فریضہ ہے۔

مظلوم (خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم) اس کی مدد کا حکم اسلام نے دیا ہے، امام

بخاریؒ نے حضرت براء بن عازبؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

"**أمرنا النبی صلی اللہ علیه وسلم بسبع ونهانا عن سبع، أمرنا باتباع الجنائز وعيادة المريض وإجابة الداعی، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، ورد السلام، وتشميت العاطس...**" (صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حدیث نمبر ۱۲۳۹)۔

(رسول اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات کاموں سے روکا، آپؐ نے ہمیں جنازہ میں شرکت، مریض کی عیادت، دعوت قبول کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، قسم پوری کرنے، سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے کا حکم دیا)۔

امام بخاریؒ نے یہی حدیث ایک دوسری سند کے ساتھ کتاب المظالم میں بھی درج کی ہے، اور اس کے اوپر ترجمۃ الباب یہ باندھا ہے "**باب نصر المظلوم**"، بخاری کے ممتاز شارح حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) نے اپنی شرح فتح الباری میں اس موقع پر لکھا ہے:

"**باب نصر المظلوم هو فرض كفاية وهو عامٌ فی المظلومين...**" (باب: مظلوم کی مدد، یہ ایک فرض کفایہ ہے، اور یہ حکم ہر طرح کے مظلومین کی بابت ہے)، (فتح الباری، از حافظ ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، ۹۹/۵)، یعنی مسلم وغیر مسلم ہر طرح کے مظلوم کی مدد فرض کفایہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے قبل نبوت حلف الفضول نامی جس معاہدہ میں شرکت کی تھی، اور جس کے بارے میں نبوت کے بعد آپؐ نے فرمایا تھا کہ: "اگر اسلامی شریعت نازل ہونے کے بعد بھی مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی تو میں شریک ہوتا"، اس معاہدہ کا مقصد بھی قریشیوں کے ہاتھوں ستم رسیدہ مظلوموں کی مدد ہی تھی (ملاحظہ ہو: السنن الکبریٰ، بیہقی ۳۶۷/۶، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد، طبع اول، ۱۳۴۴ھ)۔

سطور بالا سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا مسلمانوں کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲— مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً ہاسپیٹل وغیرہ کے ذریعہ بلاتفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں پر ہی خرچ کی جائے۔

۱۳— اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

تشریح:

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بابت پچھلے صفحات میں جو کچھ تحریر کیا جاچکا ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام مسلمانوں کو غیر مسلموں کی اعانت اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن وحدیث کے متعدد نصوص اور رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل سے ہمیں یہی راہ نمائی ملتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اپنے رفاہی اداروں سے غیر مسلموں کی اعانت کرنی چاہئے، نیز قدرتی آفات جیسے مواقع پر ان کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، لیکن چونکہ کافر کو زکاۃ نہیں دی جاسکتی ہے (ہدایہ ۱: / ۲۰۵، علی ابن ابوبکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی برہان الدین، مطبوعہ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند) اس لئے غیر مسلموں کو کی جانے والی یہ مدد زکاۃ کے مال میں سے نہیں کی جائے گی۔

☆☆☆

خاتمہ

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے یہ فیصلے اپنے چودھویں فقہی سیمینار میں کئے تھے، یہ سیمینار حیدرآباد کے معروف ادارہ دارالعلوم سبیل السلام میں مؤرخہ ۱—۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰—۲۲ جون ۲۰۰۴ء کو منعقد ہوا تھا، اکیڈمی نے اس سیمینار کے موضوعات میں بنیادی اور اساسی موضوع کی حیثیت سے ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل فی نی کو رکھا تھا، اس موضوع کی بابت اکیڈمی نے حسب معمول ایک سوال نامہ ترتیب دے کر ملک بھر کے اصحابِ علم وافتا کی خدمت میں بھیجا تھا، جن کی بڑی تعداد نے اس کے جواب میں مقالے تحریر فرمائے تھے، بعد میں اکیڈمی نے ان مقالات کا مجموعہ ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل فی نی کے عنوان سے شائع کیا تھا، اس مجموعۂ مقالات کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس میں متعلقہ موضوع کی بابت ڈاکٹر محمد محروس المدرس (بغداد)، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (پاکستان)، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا بدرالحسن قاسمی اور مولانا محمد عبیداللہ اسعدی جیسے اصحاب علم کے مقالات بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعۂ مقالات ۶۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں سب سے پہلے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا پیش لفظ ہے، پھر اس سیمینار کے میزبان اور دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے ناظم مولانا محمد رضوان القاسمی کا دلربا ادبی پیرایہ میں تحریر کیا گیا خطبۂ استقبالیہ ہے، اس کے بعد ''اکیڈمی کا کارواں منزل بہ منزل فی نی کے زیر عنوان وہ رپورٹ ہے جو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے پیش فرمائی تھی، یہ رپورٹ اس لئے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ سیمینار بانی اکیڈمی

مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کے بعد منعقد ہونے والا پہلا سیمینار تھا۔

اس کے بعد سیمینار کا سوالنامہ، پھر فیصلے، پھر تلخیص مقالات اور پھر عرض مسئلہ ہے، ان سب کے بعد مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، جس میں ۱۲/اصحاب علم کے مفصل مقالات، ۱۹ اصحاب علم کے مختصر مقالات اور ۶ حضرات کی تحریری آرا ہیں، آخر میں سیمینار میں ہونے والے مناقشہ کو تحریری شکل دی گئی ہے۔

اس موضوع پر جو لوگ تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں، ان کو اس مجموعۂ مقالات سے استفادہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆